

فاطمہ نے بڑے حوصلے سے شہید بابا کو خصت کیا!

میجر اسٹھن شہید کے تابوت پر انکی جوان بیوہ کی تصویر نے ہلا کر کھدیا ہے۔ ڈیرہ اسمعیل میں سرخ و ہونے والے میجر اسٹھن سفید کفن میں ملبوس ابدی آرام کر رہے تھے۔ اہلیہ دونوں ہاتھ تابوت پر کھکھ کر شوہر کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ لکڑی کے بڑے سے ڈبے کے آخر میں شیشہ لگا ہوا تھا۔ شہید کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ گھرے براؤن رنگ کی چادر اوڑھے صبرا اور ہمت سے اپنے سرتاج کو دیکھتی نظر آ رہی تھیں۔ پتہ نہیں کس گھری سوچ میں گم۔ معلوم نہیں ذہن کی کیا کیفیت ہو گی۔ تصویر بار بار ٹپ کھائی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی اسٹھن شہید کی نہنھی منی بچی فاطمہ بھی نظر آ رہی تھی۔ ڈیرہ اسمعیل خان سے لا ہور تک کا سفر کس قیامت کا ہو گا، اندازہ کرنا ممکن ہے۔

بڑے شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں کیلئے روز اخبار میں کہیں نہ کہیں خبر چھپی ہوتی ہے، کہ فلاں مقام پر دہشت گردوں کو نیست و نابود کرتے ہوئے، فوج، رنجرز، پلیس افسریا جوان جام شہادت نوش کر گیا۔ ہو سلتا ہے، اکثریت کیلئے یہ معمول کی خبر ہو۔ انہیں نارمل سالگے کہ دہشت گردوں کا قلع قع کرتے ہمارے جوان شہید ہو گئے۔ مگر یہ قطعاً معمول کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ وہ بہادر، جری اور ہمت والے نوجوان ہیں جو ہمارے سکھ کیلئے جانوں کا نذر انہ پیش کر رہے ہیں۔ اپنا آج، وطن پر قربان کر رہے ہیں۔ انکا ہو ہماری بقاء کا نمول ضامن ہے۔ مگر تھوڑی دیر کیلئے تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے۔ میجر اسٹھن شہید یا ان جیسے ہزاروں شہداء کے اہل خانہ کے ذہن کے زاویہ سے غور کریں۔ بلاشبہ انکے دماغ میں یہ سوال موجود ہو گا کہ ہمارے پیاروں نے ملک کے لئے قیمتی ترین چیز یعنی اپنی جان تک کا نذر انہ پیش کر دیا۔ مگر کس وجہ سے؟ کیوں؟ کس کو بچاتے ہوئے اپنا سرما یہ تن لٹا دیا۔ یہ وہ سوال ہیں، شہداء کے لواحقین کے ذہن میں ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح بار بار سڑھاتے ہو گئے۔ اسکا کیا جواب ہے۔ یہ جہت زیادہ اہم ہے۔ انتہائی اہم۔

چند برس پہلے کی بات ہے کہ اسلام آباد میں خوف کی فضاحتی کہ دہشت گرد اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ انکے اور دار الخلافہ کے درمیان صرف چند گھنٹے کا سفر رہ گیا ہے۔ تشدید پسند کسی بھی وقت اسلام آباد پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ سوات کی وادی پر تو وہ قابض ہو چکے تھے۔ عملی طور پر سوات کی ضلعی انتظامیہ مکمل طور پر طالبان کے رحم و کرم پر تھی۔ اچھی طرح یاد ہے کہ طالبان سوات کے کمشنز تک کو انغواء کر لیتے تھے۔ اس صورتحال میں فوج نے فیصلہ کیا کہ ہم اس عفریب کی گردن کاٹنگے۔ کمال جرات سے انہوں نے طالبان کو عبرتیاک شکست دی۔ سوات واپس پاکستان میں شامل ہو گیا۔ اس آپریشن میں ہمارے عسکری اداروں کو کتنا تقصیان ہوا، اس پر کھل کر بات نہیں ہوتی۔ شائد ہم ان شہداء سوات کو مکمل طور پر فراموش کر چکے ہیں۔ سوات آپریشن میں شامل ایک سینئر فوجی افسر نے بتایا کہ آپریشن سے پہلے اتنی خوفناک صورتحال تھی کہ بتائی نہیں جاسکتی۔ طالبان گھروں کے باہر آ کر والد سے تقاضا کرتے تھے کہ اپنی بیٹی کی شادی کچھ دنوں کیلئے ہمارے طالب سے کر دیں۔ اسی میں آپکی بھلائی اور خیر ہے۔ اگر نہیں کرینے تو جان سے جاسکتے ہیں۔ یہ کوئی ایک واقعہ نہیں۔ اس افسر کے بقول یہ ظلم اور زیادتی لا تعداد بار ہوئی تھی۔ کچھ بزرگ خوف کی حالت میں ہاں کر دیتے تھے اور کچھ سامان اٹھا کر سوات سے نقل مکانی کر جاتے تھے۔ سوات کو پاکستان میں واپس لانے والوں کا احسان کیا ہم واقعی تسلیم کرتے ہیں؟ کیا اس وقت کے وزیر اعظم اور صدر

آپریشن کے بعد بھی وہاں جانے کی ہمت کر سکے۔ بالکل نہیں۔ نام نہیں لکھنا چاہتا۔ مگر ہمارا ایک مقتدر شخص اس درجہ ڈرپوک تھا کہ سرکاری محل میں اپنی ذاتی خوابگاہ میں آہنی بنکروالے بیڈ پر سوتا تھا۔ کمرے میں ہر طرف اسلجہ پڑا ہوا تھا۔ ذہنی حالت اس درجہ بر巴دقہ کے ہر وقت شبہ تھا کہ عسکری اداروں کا کوئی شخص آیا گا اور اسے مار دیا جائیگا۔ گرفتار کر لے گا۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ سیاستدان بھی بھی اس علاقہ میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکا جہاں ہمارے کڑیل جوان جام شہادت نوش کر رہے تھے۔ آج بھی وہ ملک کے ریاستی اداروں کے خلاف بات کرتا ہے اور پھر ر عمل کا انتظار کیے بغیر باہر بھاگ جاتا ہے۔ انٹریٹ پر معلومات حاصل کیجئے۔ پاکستان کے اس حادثاتی سیاستدان کے پاس بیس سے پچس ارب ڈالر کی چوری شدہ جائیداد ہے جو دنیا کے ہر بڑے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ خیر کرپشن پر کیا بات کروں۔ پورا ملک اس سیلا ب میں ڈوبا ہوا ہے۔ مگر اہم ترین بات یہ ہے کہ قومی سطح کے بادشاہ گرنے آج تک اپنے دور میں شہید ہونے والے ایک بھی سویں یا فوجی کاجنازہ نہیں پڑھا۔ افسوس تک پڑھیں گیا۔ اسلام آباد میں بیٹھے اپنے محل میں ہر وقت منفی منصوبہ بندی میں مصروف کا رہا۔ اب انجام دیکھ کر حب الوطنی کے جعلی دعوے کرنے میں جتا ہوا ہے۔ سوات آپریشن کا ذکر کر رہا ہوں۔ آخر شہیدوں کے پسمندگان کا حق نہیں بتا کہ پوچھیں کہ کیا ہمارے لخت جگر تمہارے جیسے فربی انسان کیلئے شہید ہوئے۔ یقین ہے کہ شہداء کی عملی بہ حرمتی کرنے والا انسان ہمیشہ ذلت کے قافلہ کا مسافر ہوتا ہے۔

وزیرستان کی دونوں ایجنسیوں میں آپریشن تو آج کی بات ہے۔ وہاں پوری فوج اپنی پوری طاقت کے ساتھ دہشت گردوں سے لڑ رہی ہے۔ عام لوگوں کو اندازہ نہیں کہ عسکری ادارے ٹینک، توپیں اور جدید ترین اسلجہ سے مصروف کا رہیں۔ لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہماری فوج دہشت گردوں سے نہیں لڑ رہی بلکہ ہندوستان اور افغانستان کے تربیت یافتہ لوگوں سے برس بیکار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان ہمارے خلاف ہر طرح کا حرہ استعمال کر رہا ہے۔ را کے افسر دہشت گردوں کو مہلک ترین اسلجہ اور تربیت فراہم کر رہے ہیں۔ اندازہ ہونا چاہیے کہ یہ ٹریننگ پاکستانی فوج کے خلاف مختص ہے۔ دشمنوں کی خواہش صرف ایک ہے کہ پاکستانی فوج کو کسی بھی طریقے سے کمزور کیا جائے۔ کیونکہ جب تک فوج ہے، پاکستان کو توڑا نہیں جا سکتا۔ یہ نکتہ سمجھنے کی بھرپور ضرورت ہے۔ اب عسکریت پسند لڑائی کے کمزور فریق ہیں۔ وہ ریموٹ کنٹرول بم سے لوگوں کو نشانہ بنارہے ہیں۔ یہ تمام ریموٹ کنٹرول بارود دشمن ممالک و افریقہ میں دہشت گردوں کو مہیا کر رہے ہیں۔ طالب علم کے طور پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان اور افغانستان کے ریاستی ادارے ہر قیمت پر پاکستانی فوج کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ انکے اور ہماری قومی سلامتی کے درمیان صرف اور صرف عسکری ادارے کھڑے ہوئے ہیں۔ سیاستدان تو صرف مال کمانے میں مصروف ہیں۔ یہی آج کے مسئلہ کی جڑ ہے۔ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جزل ایوب خان سے لیکر جزل مشرف تک چند سینئر آرمی جرنیلوں نے مہم جوئی کر کے ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس جرم کی کوئی معافی نہیں ہے۔ مگر بھیت ادارہ فوج کا اس مہم جوئی میں بہت کم قصور ہے۔ فوج ایک انتہائی منظم ادارہ ہے بلکہ پاکستان کا واحد منظم ادارہ رہ گیا ہے۔ یہ آرمی چیف کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا۔ اگر آرمی چیف مارشل لاءِ کاغیر قانونی حکم دیتا ہے تو جوان تک اسے پورا کرنے کے تابع ہیں۔ یہ ڈسپلن کا تقاضا تھا۔ مگر فوج میں مارشل لاء کے خلاف ان تمام اداروں میں بھرپور جذبات موجود رہے ہیں۔ اس پر کوئی دانشور یا اہل قلم بات کرنے

کیلئے تیار نہیں۔

موجودہ صورتحال انتہائی مشکل ہے۔ ریاستی اداروں میں ایک پختہ سوچ موجود ہے کہ کوئی مہم جوئی نہیں کی جائیگی۔ اسکی وجہ قطعاً یہ نہیں کہ وہ حالت جنگ میں ہیں۔ اسکی صرف اور صرف ایک وجہ ہے کہ عسکری سینئر قیادت فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ خلاف آئین کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ مگر چند مخصوص حلقوں سے ان پر اس قدر کچھڑا اچھا لاجار ہا ہے کہ خدا کی پناہ۔ یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ اصل حب الوطن کوں ہے؟ خیر موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ غور کجھے۔ فوج کے افسروں اور جوان تو اتر سے شہید ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے کسی مرکزی وزیر، صوبائی وزیر، وزراء اعلیٰ یا وزیر اعظم کو کبھی بھی تدبیف کے موقع پر دیکھا ہے۔ بہت ہی کم! کیا آپ نے کبھی دیکھا ہے کہ ان کڑیں جونواں کو لحد میں اُتارنے کی سعادت مقتدر طبقے کے کسی انسان نے حاصل کی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اگر جنازہ صوبائی دار الحکومت میں ہے تو پوری دنیاوی جاہ و چشم کے ساتھ مقتدر لوگ اس میں کبھی کبھی شریک ہو جاتے ہیں۔ جلدی جلدی تصویریں بناؤ کر غائب ہونے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ آج تک یہ نہیں دیکھا کہ ایک مربوط پالیسی کے تحت اعلیٰ ترین سیاسی اور سرکاری لوگ، شہداء کے گھروں میں جائیں۔ نہیں حوصلہ دیں۔ اُنکے مسائل کو سینیں اور فی الفور احکامات جاری کریں تاکہ اُنکے دنیاوی مسائل حل ہو سکیں۔ چاہیے تو یہ کہ ایک حکومتی پالیسی بنائی جائے جسکے تحت ان لوگوں کے سر پر حکومت کا دست شفقت ہو۔ لواحقین کو احساس ہو کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ یا صرف فوج ہی ہماری دیکھ بھال نہیں کر رہی۔ پوری حکومت ہمارے غم میں شریک ہے۔ کندھے سے کندھا ملا کر ہمارے مسائل حل کرنے کیلئے یکسو ہے۔ یہاں تک گزارش کروں گا کہ جہاں ممکن ہو، ملک کے صدر یا وزیر اعظم بھی شہداء کے لواحقین کے گھروں میں جائیں۔ اُنکی ڈھارس بندھائیں۔ انتظامی سربراہ کے جانے سے لواحقین کے سینکڑوں مسائل منٹوں میں حل ہو جائیں گے۔ یہ ہماری سرکاری اور ذاتی ذمہ داری کے زمرے میں آنا چاہیے۔ ملک کی سلیمانیت کی جنگ میں قربان کرنے والے ہر گز ہرگز اکیلے نہیں ہیں۔ تمام قوم اُن جانشوروں پر نثار ہے۔ اگر حوصلہ اور ہمت کی تصور پر دیکھنی ہے تو فاطمہ کو دیکھیے۔ اس نئھی بچی نے اپنے شہید بابا، میجر الحق کو بڑے ظرف اور قوت سے آخری سفر پر رخصت کیا ہے۔ کمال ضبط، کمال کرادر کی بلندی۔

راوِ منظر حیات